خطبہ جمعہ

القدوس اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، اس کے معنی ہیں عیوب و نقائص سے پاک وجود۔ مبارک وجود، وہ جو پاکی عطا کرتا ہے

اللہ تعالیٰ چونکہ قدوس اور پاک ہے اس کی قدوسیت اور پاکی کا تقاضا ہے کہ دنیا میں نیکی پھیلے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۱۹؍اکتوبر ۲۰۰۱ء بمطابق ۱۹؍اخاء ۱۳۸۰ھجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

آج کا خطبہ خدا تعالیٰ کی صفت قُدُّوْسِیَّت سے متعلق ہے۔اس کے دونوں تلفظ آتے ہیں قُدُّوْس اور قَدُّوْس۔قَدُ سَ قُدْ سًا کا معنی ہے طَھُرَ وَتَبَارَکَ۔ یعنی وہ پاک اور برکت والا ٹھہرا۔اور قَدَّ سَ اللّٰہُ فُلَا نًا کا مطلب ہے طَھَّرَ وَ بَارَکَ عَلَیْہِ۔اللہ تعالیٰ نے اسے پاک کیا اور اس پر برکت نازل کی۔(المنجد)

تاج العروس میں بھی اسی قسم کے معنے ہیں اَلْقُدُّوْسُ مِنْ اَسْمَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی (أَیْ اَلطَّاھِرُ) اَلْمُنَزَّہُ عَنِ الْعُیُوْبِ وَالنَّقَائِصِ۔ قدوس اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے اور اس کے معنے ہیں "اَلطَّاھِرُ" یعنی عیوب و نقائص سے پاک وجود یا مبارک وجود۔

حضرت امام راغبؒ مفردات میں لکھتے ہیں:

﴿نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ کا مطلب ہے: ہم تیرے حکم سے چیزوں کو پاک کرتے ہیں۔ یہ بہت عمدہ معنی حضرت امام راغب نے کیا ہے کہ ہم تیرے حکم سے چیزوں کو پاک کرتے ہیں۔اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم تیری تقدیس بیان کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ تو ہی دراصل پاک کرتا ہے۔جیسے وہ خود فرماتا ہے ﴿وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾ اور جبریل کو روح القدس اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وہ چیزیں لے کر اترتا ہے جس سے ہمارے نفوس کو پاکیزگی عطا کی جاتی ہے۔

اب اس تعلق میں سب سے پہلی وہ مشہور آیت ہے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۳۱۔﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً . قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ . وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ .قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾۔

اور (یاد رکھ) جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے کہا کہ یقیناً میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔انہوں نے کہا کیا تو اُس میں وہ بنائے گا جو اُس میں فساد کرے اور خون بہائے جبکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔اُس نے کہا یقیناً میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اس تعلق میں کچھ احادیث بھی پیش ہیں۔ایک ہے سنن ابی داؤد کتاب الطب سے۔حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تمہیں یا تمہارے کسی بھائی کو کوئی تکلیف پہنچے تو یہ دعا پڑھنی چاہئے:

"اے ہمارے ربّ جو آسمان میں ہے تیرا نام بہت ہی پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزّہ ہے۔ تیرا حکم آسمان اور زمین پر محیط ہے۔ جس طرح تیری رحمت آسمان پر ہے اسی طرح زمین میں بھی جاری کردے۔ ہمارے گناہ اور ہماری خطائیں بخش دے۔ تُو تمام طَیِّبِیْن کا ربّ ہے۔اپنی رحمت میں سے خاص رحمت اور اپنی شفا میں سے خاص شفا اس تکلیف پر نازل فرما (اگر وہ یہ دعا کرے گا) تو اس تکلیف سے شفایابی ہو گی"۔(سنن ابوداؤد کتاب الطب)

اس ضمن میں یاد رکھنا چاہئے کہ بعض دفعہ یہ دعا یا دوسری دعائیں اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُ كَ کی دعائیں لوگ پڑھتے ہیں اور اس کے باوجود شفا نہیں ہوتی تو اس سلسلہ میں یہ بات اہم طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دعاؤں سے مایوس کبھی نہیں ہونا چاہئے۔اگر اس دنیا میں شفا نہ بھی ہو تو اس کی جزا آخرت میں ضرور ملتی ہے۔ کئی لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے تو ان کے گناہوں کی اسی دنیا میں سزا دے دیتا ہے۔اور اس کے نتیجہ میں وہ آخرت میں بخشے جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو آپؐ کے ایک صحابی نے یاد کیا جو بہت ہی کمزور تھے۔ بالکل خالی بدن ہو چکے تھے۔ان سے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ تم نے کہیں یہ دعا تو نہیں کی تھی کہ اے اللہ مجھے جو سزا دینی ہے اسی دنیا میں دے لے اور آخرت میں نہ دینا۔ تو انہوں نے کہا ہاں مَیں نے یہی دعا کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مایوسی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی دے سکتا ہے اور آخرت میں بھی دے سکتا ہے۔ یہ دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دنیا میں بھی نہ دے اور آخرت میں بھی نہ دے اور میرے گناہ معاف فرمائے۔چنانچہ جب یہ دعا انہوں نے پڑھنی شروع کی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل طور پر شفا عطا ہو گئی۔

ایک حدیث حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "ہر صبح جو بندوں پر ہوتی ہے ایک پکارنے والا پکارتا ہے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْس خدا کی تسبیح کرو"۔

(ترمذی کتاب الدعوات باب فی دعاء النبیﷺ و تعوذہ فی دبر کل صلاۃ)

تو ہر صبح ہر انسان کو اٹھتے ہوئے یہ آواز نہیں آتی کہ خدا کی تسبیح کرو مگر جب وہ اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے ساتھ ہی اس کو اٹھنا چاہئے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم یہ بھی دعا کیا کرتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں جس نے ہمیں زندہ کیا بعد اس کے کہ ہمیں مار دیا یعنی نیند میں مبتلا کر دیا۔

ایک روایت مسلم کتاب الصلاۃ بابُ مَا یُقَالُ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ مُطَرِّفْ بِن عَبْدُاللہ بن شِخِیْر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔"سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ"۔ وہ پاک اور مطہر ہے، فرشتوں اور ارواح کا ربّ ہے۔(مسلم کتاب الصلاۃ)

اب اس حدیث سے بھی یہ خیال کرنا غلط ہے کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم ، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم تین دفعہ پڑھنے کی بجائے جو قطعی طور پر احادیث اور سنت سے ثابت ہے ہم "سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ" پڑھا کریں۔ یہ خاص کیفیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ضرور پڑھی ہو گی اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ لیکن ایسی کیفیت جب دل پر طاری ہو تو اس وقت پڑھنی چاہئے ورنہ عام طریق یہی ہے کہ تین دفعہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم پڑھی جائے۔

ایک روایت ہے سعید بن عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ وِتروں میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص تلاوت کیا کرتے تھے اور جب سلام پھیرتے تو تین بار یہ دعا پڑھتے: "سُبْحَانَ الْمَلِكَ الْقُدُّوْسُ" یعنی پاک ہے اللہ جو بادشاہ ہے (اور) قدوس ہے۔اور آخری باری آپ یہ دعا نسبتاً بلند آواز سے پڑھتے۔

(مسند احمد بن حنبل مسند المکیّین)

اب یہ بھی انہی احادیث میں ہے جو مختلف نمازوں میں سے بعض نمازوں کی کیفیات کو بیان کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نمازوں کی کیفیات بدلتی رہتی تھیں اور ہر نماز میں ایک ہی دعا نہیں کرتے تھے۔ بے شمار دعائیں ہوتی تھیں لیکن ان میں سے جو مسنون دعائیں نسبتاً آسان ہم لوگوں کے لئے کر دی گئی ہیں وہ وہی ہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ، سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ، سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ۔ اب وتروں میں سورۃ الاعلیٰ کی تلاوت ضروری نہیں۔ جمعہ میں تو ہم کرتے ہیں لیکن وتروں میں بہر حال احادیث کی رو سے یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضرور وتروں میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی﴾ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اب یہ بھی ان احادیث میں سے ہے جن میں بعض دوسری روایات سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر یہ اختلاف دراصل محض وقتی جذبات کے تعلق سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے دل میں جب خدا کا علو غیر معمولی طور پر جلوہ افروز ہوتا ہوگا تو آپؐ نے کوئی بعید نہیں کہ وتر میں سورۃ الاعلیٰ کی تلاوت بھی کی ہو۔ مگر جن کو سورۃ الاعلیٰ یاد نہیں وہ جو چھوٹی سورتیں ان کو یاد ہیں ان کی تلاوت بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں حضرت شریق الھوزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آنحضورؐ جب رات گزارنے کے بعد اٹھتے تو (صبح کا) آغاز کس طرح کرتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے ایسی بات پوچھی ہے جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی۔ جب آپؐ رات گزارنے کے بعد اٹھتے تو دس بار اَللّٰہُ اَکْبَر کہتے، دس بار اَلْحَمْدُلِلّٰہ کہتے اور پھر دس بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (پاک ہے اللہ اپنی تمام تعریفوں کے ساتھ) کہتے۔ دس بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْس (پاک ہے اللہ جو بادشاہ قدوس ہے)۔ دس بار استغفار کرتے اور دس بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر دس بار یہ دعا کرتے: اے اللہ مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کی تنگی سے اور قیامت کے دن کی تنگی سے۔ پھر اس کے بعد نماز شروع کرتے۔ (سنن ابی داؤد. کتاب الادب)

اب یہ روایت بھی بعض دوسری روایات سے اختلاف رکھتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق قطعیت سے یہ ثابت نہیں کہ ہر روز صبح کے وقت یہی دعا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بسا اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا۔ تو اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے دل کی کیفیت کا حال بیان کرتی ہیں۔ کبھی کبھی غیر معمولی طور پر اللہ تعالیٰ کی تقدیر دل پر قبضہ کر لیتی تھی تو اللہ اکبر کی بار بار تلاوت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح باقی حدیثوں میں جو اس مضمون سے تعلق رکھتی ہیں یہی بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اپنے دل کی کیفیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو اور مصنوعی تسبیح سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"آدم کی بعثت پر ﴿نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾ کہنے والے اپنے کمیٔ علم اور ناواقفی کی وجہ سے ﴿أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ (البقرہ:31) پکار اٹھے"۔ کہ کیا تُو زمین میں ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے اور خون بہائے اور ان کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔ یہ بات بالکل درست تھی کہ آدم کے اور دوسرے انبیاء کے پیدا ہونے پر زمین میں ضرور خون بہایا جاتا ہے اور فساد برپا کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے ذمہ دار خدا کے پاک بندے نہیں بلکہ وہ شیاطین ہیں جو ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ تو فرشتوں کی یہ بات تو سچی تھی مگر اس کی ذمہ داری غلطی سے انہوں نے آدم پر ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور فرشتوں نے اس پر پھر توبہ کی کہ ہمیں تو بہت علم نہیں ہے مگر اتنا ہی ہے جتنا تو بتاتا ہے۔ تو نے ہمیں یہ بتایا تھا کہ زمین میں فساد برپا ہوگا اور بہت سرکشی کی جائے گی۔ اس حد تک تو ہمیں علم ہے ذمہ داروں کو تُو بہتر جانتا ہے کہ کون ذمہ دار ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ لکھتے ہیں "مگر فرشتوں نے "اللہ تعالیٰ کے اس فعل خلافتِ آدم کو حکمت سے بھرا ہوا تسلیم کر لیا۔ مگر وہ لوگ جو خدا سے دُور ہوتے ہیں وہ عجائبات قدرت سے ناآشنا محض اور اسماء الٰہی کے علم سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خیال اور تجویز کے موافق کچھ چاہتے ہیں، جو نہیں ہوتا۔ جیسا ہمارے سردار سرورِ عالم فخرِ بنی آدم ﷺ کی بعثت پر کہہ اٹھے ﴿لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (الزخرف:۳۲) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اَلْحَکِیْم نہیں مانتے ورنہ وہ اس قسم کے اعتراض نہ کرتے۔ اور یقین کر لیتے کہ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ (الانعام:۱۲۵)"۔ اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس کو عطا کرے۔ "اسی طرح شیعہ نے خلافتِ خلفاء پر بعینہ وہی اعتراضات کئے جو کفار نے نبی کریم ﷺ کی بعثت پر کئے"۔ یعنی خلیفہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کو بننا چاہئے تھے اور بنا دیا حضرت ابوبکرؓ کو۔ تو یہ وہی شیطانوں والا سوال تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس کو خلیفہ بنانا ہے۔ "..........پس جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس اللہ کی جو ﴿الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ ہے۔ زمین و آسمان کے تمام ذرّات اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ان صفات پر گواہ ہیں۔ پس زمینی علوم یا آسمانی علوم جس قدر ترقی کریں گے خداتعالیٰ کی ہستی اور ان صفات کی زیادہ وضاحت، زیادہ صراحت ہوگی۔ مَیں اپنے ایمان سے کہتا ہوں کہ مَیں ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ علوم کی ترقی اور سائنس کی ترقی قرآن شریف یا اسلام کے مخالف ہے۔ سچے علوم ہوں وہ جس قدر ترقی کریں گے قرآن شریف کی حمد اور تعریف اسی قدر زیادہ ہوگی"۔ (حقائق الفرقان جلد۴ صفحہ ۸۳ تا ۸۵)

یہی مضمون ہے جو مَیں نے پہلے بھی بارہا بیان کیا ہے کہ علوم جو سچے ہوں ان کا قرآن کریم کے علوم سے کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔ سائنس کی ترقی سو فیصد قرآن کی تائید میں ہوتی ہے۔ اب سائنس کی رو سے جتنی باتیں دریافت ہوتی چلی جا رہی ہیں وہ تمام تر قرآن کریم میں پہلے سے بیان شدہ ہیں۔ اس مضمون پر آپ جتنا زیادہ غور کریں گے قیامت تک آپ کو ایسی نئی چیزیں معلوم ہوتی چلی جائیں گی جن کا قرآن کریم میں ذکر تھا مگر لوگوں کے علم میں نہیں تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے کے انسان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ اب فرعون کی لاش کا دیکھ لیں کہ قرآن کریم جب فرعون کی لاش کے متعلق ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو بچا لیا تھا تاکہ وہ آئندہ لوگوں کے لئے عبرت بنے۔ اس وقت عرب کو کیا معلوم تھا کہ فرعون کی لاش کہاں پڑی ہوئی ہے۔ عرب کے کسی باشندہ کے وہم وگمان بھی نہیں آ سکتا تھا کہ فرعون کی لاش نکالی گئی تھی اور وہ محفوظ کر لی گئی اور وہ عبرت ہوگی۔ اور عبرت کس کے لئے ہوگئی آئندہ زمانوں کے لئے۔ تو ماضی کا علم بھی اس میں تھا اور مستقبل کا علم بھی تھا۔ اور اس نعش کو دریافت کیا عیسائیوں نے، نہ کہ مسلمانوں نے۔ ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے قرآن مجید کی صداقت ثابت کرنے کے لئے یہ لاش اپنی طرف سے بنا رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے مضامین پر مَیں جتنا غور کرتا ہوں دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے اور زیادہ بھر جاتا ہے کہ عجیب شان کا کلام ہے نہ ماضی کو چھوڑتا ہے نہ مستقبل کو۔ ہر بات کا علم اس کتاب میں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے خدا کی تقدیس کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اُس کی تقدیس نہیں کرتی۔ پر تم اُن کی تقدیسوں کو سمجھتے نہیں۔ یعنی زمین و آسمان پر نظر غور کرنے سے خدا کا کامل اور مقدس ہونا اور بیٹوں اور شریکوں سے پاک ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ مگر ان کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں"۔ اب تقدیس کرنے کے متعلق دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ اپنی حالت سے زبان حال سے تقدیس کر رہی ہوتی ہیں۔ یعنی اگر وہ خود قدوس ہیں اور عیب سے پاک وجود ہیں جیسا کہ خدا نے جس وجود کو بھی پیدا کیا ہے اس کو عیوب سے پاک فرمایا ہے تو ان کی یہ حالت جو ہے وہ تسبیح ہی کی حالت ہے۔ لیکن قرآن کریم کی بعض دوسری آیات سے پتہ چلتا ہے کہ تسبیح تو وہ کرتے ہیں لیکن تم لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔ مثلاً پرندے بھی تسبیح کر رہے ہیں۔ شعور خواہ ادنیٰ ہو، خواہ اعلیٰ ہو۔ وہ اپنے شعور کی حد تک تسبیح کرتا ہے۔ تو پرندے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہے ہوتے ہیں اور جیسا کہ بعض کہاوتوں میں بتایا گیا ہے چکور 'سبحان تیری قدرت' کہتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ 'سبحان تیری قدرت' نہ کہے مگر جب وہ بولتا ہے تو اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہی بیان کر رہا ہوتا ہے اور وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"پھر بعد اس کے جزوی طور پر مخلوق پرستوں کو ملزم کیا اور اُن کا خطا پر ہونا ظاہر فرمایا۔ اور کہا ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ......الخ﴾۔ یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے حالانکہ بیٹے کا محتاج ہونا ایک نقصان ہے۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے

(براہین احمدیہ صفحہ ۲۹۷،۲۹۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں:

"ہم خدا تعالیٰ کو محدود نہیں سمجھتے اور نہ ہی خدا محدود ہو سکتا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی نسبت یہ جانتے ہیں کہ جیسا وہ آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہے"۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک دعا تھی کہ اے خدا جیسا تو آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر بھی ہو جا۔ مگر قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ ہے جیسا آسمان پر ہے ویسا ہی زمین پر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا تعلق عام مخلوق کے ساتھ ہے وہ ہر ایک سے سانجھا تعلق ہے۔ خدا کی بارش برستی ہے اچھے برے سب پر برستی ہے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور دنیاوی فضل نازل ہوتے ہیں تو اچھوں بروں سب پر نازل ہوتی ہیں مگر بعض خاص تعلق جو صرف اس کے پاک بندوں سے اللہ تعالیٰ کا تعلق ظاہر ہوتا ہے وہ جتنا بھی اس کے قریب ہوتا چلا جائے ان کے لئے خاص تعلق ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک اپنے ذاتی تجربے سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں: "تب وہ ان سے ایسا قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ ان کے اندر ہی سے بولتا ہے"۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ وہ اندر سے بھی بولتا ہے اور باہر سے بھی بولتا ہے۔ "یہ اس میں ایک عجیب بات ہے کہ باوجود دور ہونے کے وہ نزدیک ہے"۔ اب اس مضمون کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام یوں بیان فرما رہے ہیں "باوجود دور ہونے کے وہ نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے۔ وہ بہت ہی قریب ہے مگر پھر بھی نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح ایک جسم دوسرے جسم سے قریب ہوتا ہے" اسی طرح وہ قریب ہے۔ "اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی چیز بھی ہے۔ وہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے مگر پھر بھی وہ عمیق در عمیق ہے۔ جس قدر انسان سچی پاکیزگی حاصل کرتا ہے اسی قدر اس کے وجود پر اس کو اطلاع ہوتی ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نہایت درجہ قدوس ہے۔ وہ اپنی تقدیس کی وجہ سے ناپاکی کو پسند نہیں کرتا اور چونکہ وہ رحیم و کریم ہے اس واسطے نہیں چاہتا کہ انسان ایسی راہوں پر چلے جن میں اس کی ہلاکت ہو۔ پس یہ اس کے جذبات ہیں جن کی بنا پر مذہب کا سلسلہ جاری ہے۔ اب ان کا نام خواہ آپ کچھ ہی رکھ لو"۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۷۱،۲۷۲۔ جدید ایڈیشن)

اب اللہ تعالیٰ کے 'جذبات' کہنا یہ معنی نہیں کہ جس طرح انسانی جذبات ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جذبات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے جو سلوک ہے وہ یہ ہے اور اب اس سلوک کا جو مرضی نام رکھ لو۔ سلوک تو بہر حال یہی رہے گا کہ جو پاک ہے اس سے اللہ تعالیٰ تعلق جوڑتا ہے اور جو ناپاک ہو وہ خود اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قطع کر لیتا ہے۔

اب سورۃ الحشر کی ۲۴ویں آیت ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلام ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، کامل غلبہ والا ہے، ٹوٹے کام بنانے والا ہے (اور) کبریائی والا ہے۔ پاک ہے اللہ اُس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام بھی اس مضمون کا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ٹوٹے کام بناتا ہے اور اپنے بنائے کام توڑ بھی دیا کرتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی ان دونوں قدرتوں سے ڈرتے رہنا چاہئے اور دعا کرتے رہنا چاہئے۔ 'قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹے کام بناوے۔ بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے'۔ غالباً مدراس کے سیٹھ صاحب کے لئے دعا کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہوا تھا۔ تو جو کام اتنا اعلیٰ درجہ کا ہو وہ جب خدا فیصلہ کر لے کہ وہ اب نہیں چلے گا تو اچھے سے اچھے کام بالکل ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ اور ٹوٹے ہوئے کام بن جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ قادر بارگہ ہے وہی ان بھیدوں کو جانتا ہے۔

صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب کے علاوہ کسی کو قبول نہیں فرماتا۔

شرح صحیح مسلم از امام نوویؒ میں اس حدیث کی تشریح میں قاضی عیاض کا یہ قول درج ہے کہ طیب، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس کا معنی ہے نقائص سے پاک اور یہ قدوس کے معنوں میں آتی ہے۔ طیب کا اصل معنی ہے پاکیزگی، طہارت، اور خبث سے سلامتی۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جو اسلام کی بنیاد اور احکام کا مدار ہیں۔ فیض القدیر میں لکھا ہے کہ قُدُّوس کا مطلب ہے نقائص اور تغیر سے پاک"۔ یعنی صرف نقائص سے نہیں بلکہ تغیر سے بھی۔ "قدوس کا لفظ قدس یعنی پاکیزگی سے فُعُّول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے"۔ یعنی بہت زیادہ قدوسیت والا۔ "بعض نے کہا ہے کہ قدوسیت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی تغیر کے قبول کرنے سے بالاتر ہونا"۔

تفسیر قرطبی میں ابن العربی کا یہ قول درج ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ اپنی تمام قدرت اور قوت کاملہ کی بناء پر ابتداءً کسی چیز کی موجودگی کے بغیر مخلوق کو تخلیق فرماتا ہے"۔ تو بالکل ظاہر و باہر ہے کہ جب کچھ بھی نہیں ہو تب بھی خدا تعالیٰ مخلوق کو تخلیق فرماتا ہے۔ "نیز اپنے عظیم لطف و کرم اور حکمت بالغہ کے نتیجہ میں ایک موجود چیز سے دوسری چیز بھی پیدا کرتا ہے"۔ اب یہ فاطر اور تخلیق کا فرق ہے۔ فَاطِرُ السَّمٰوٰت ہے یعنی کوئی چیز بھی نہ ہو اس سے وہ پیدا کرنے والا ہے اور چیزیں جب ایک دفعہ بن جائیں تو پھر ان سے مزید بہت سی ترقی یافتہ صورتیں ظاہر ہونی شروع ہو جائیں یہ خدا تعالیٰ کی تخلیق کے تابع ہے۔

علامہ فخر الدین رازی سورۃ الحشر کی اس آیت کی تفسیر کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ:

"اَلْقُدُّوْس اور اَلْقَدُّوْس دونوں طرح پڑھا جاتا ہے"۔ یعنی ق کی پیش سے بھی اور ق کی زبر سے بھی۔ "اور یہ اس ذات کے لئے بولا جاتا ہے جو اپنی ذات میں، اپنی صفات میں، اپنے افعال میں، اپنے احکام میں اور اپنے اسماء میں انتہائی مُنَزَّہ ہو"۔ یعنی کسی قسم کی بھی کوئی خرابی اس کی ذات میں نہ پائی جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"اَلْقُدُّوْسُ: تمام ان اسباب عیوب سے پاک جن کو حس دریافت کر سکے۔ یا خیال تصور کرے یا وہم اس طرف جا سکے۔ یا قلبی قویٰ سمجھ سکیں"۔ (تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۵،۲۵۵)

تمام ان اسباب عیوب سے پاک جن کو حس دریافت کر سکے۔ جتنا مرضی غور کرو کہ فلاں عیوب، فلاں عیب، فلاں قسم کی کمزوری خدا میں پائی جا سکتی ہے کہ نہیں۔ تو جتنا بھی تم غور کرو گے ہر کمزوری سے اللہ تعالیٰ کو پاک پاؤ گے۔ اور وہم بھی جس طرف جائے اس سے بھی پاک ہے۔ یا قلبی قویٰ سمجھ سکیں۔ اب قلبی قویٰ وہ ہیں جو ذہنی قویٰ سے الگ ہوتے ہیں۔ دل بھی اگر کوئی کمزوری تجویز کرے تو اللہ تعالیٰ اس کمزوری سے بھی پاک ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:" وہ چونکہ قدوس اور پاک ہے اس کی قدوسیت اور پاکی کا تقاضا ہے کہ دنیا میں نیکی پھیلے۔ ورنہ انسان اگر بے قید ہو کر بدی اور گناہ کرے گا اور ممنوعات شرعیہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کا وبال بھی خود ہی برداشت کرے گا۔ خدا تعالیٰ کا اس میں کچھ نقصان نہیں"۔(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۵۹۷ جدید ایڈیشن)

حقیقت یہی ہے کہ ہر بدی کا گناہ تو انسان خود ہی اٹھاتا ہے اور کسی دوسرے کو وہ گناہ برداشت نہیں کرنا پڑتا۔ اپنے گناہوں کی پاداش میں خود ہی مصیبت کو جھیلتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں جو روایات مَیں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں ان سے ایک خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ تو قدوس اور قادر ہے۔ ایسا انسان جو قدوس نہ ہو اپنے اندر کسی قسم کی ناپاکی رکھتا ہو اس سے خدا تعالیٰ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط نتیجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس تشریح کو غلط قرار دیتے ہیں۔ بلکہ آپؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے ہر بندہ سے تعلق ہے اور کوئی اس کی مخلوق ایسی نہیں جس میں کوئی نہ کوئی خوبی نہ پائی جائے۔ تو وہ اگر بدیوں کی وجہ سے اپنا تعلق توڑ لیتا تو کائنات میں سے ہر مخلوق سے خدا تعالیٰ کا تعلق ٹوٹ جاتا۔ مگر وہ نیکیوں پر نگاہ رکھتا ہے اور ان کی وجہ سے وہ تعلق قائم کر لیتا ہے۔ اب اس ضمن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ حدیث آتی ہے کہ ایک دفعہ جا رہے تھے تو راستے میں کوئی گدھا مرا ہوا تھا۔ باقی صحابہ جو ساتھ تھے انہوں نے برائیاں شروع کر دیں اس کا پیٹ دیکھو کیسا پھولا ہوا ہے۔ کیسا مکروہ لگ رہا ہے۔ جب وہ ساری برائیاں بیان کر چکے تو حضرت علیؓ نے کہا دیکھو اس کے دانت کتنے شفاف ہیں۔ تو اپنا تعلق خدا تعالیٰ کی صفات کے مطابق اس کی اچھی خوبی سے کر لیا۔ مگر یہ بہت ہی پیاری ادا تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ اور آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ہر مخلوق کی کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے جس سے وہ تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی خوبی کی بنا پر خدا تعالیٰ کا اپنی ہر مخلوق سے تعلق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"اسلام کا خدا ایسا قدوس اور قادر ہے کہ اگر تمام دنیا مل کر اس میں کوئی نقص نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتی۔ ہمارا خدا تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے مبرا ہے کیونکہ جس میں کوئی نقص ہو وہ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اور اس سے ہم دعائیں کس طرح مانگ سکتے ہیں۔ اور اس پر کیا امیدیں رکھ سکتے ہیں۔ وہ تو خود ناقص ہے نہ کہ کامل۔ لیکن اسلام نے وہ قادر اور ہر ایک عیب سے پاک خدا پیش کیا ہے جس سے ہم دعائیں مانگ سکتے ہیں اور بڑی بڑی امیدیں پوری کر سکتے ہیں"۔(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۸۶ جدید ایڈیشن)

اسی ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک اور حوالہ ہے:

"اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْس یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغِ عیب نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی"۔ اب دیکھو افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ کتنی قہر والی بادشاہی تھی لیکن اب سارے افغان وہاں سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لے رہے ہیں۔ بادشاہت کے لئے پیچھے کیا رہ جائے گا۔ وہی جو مغلوب تھے وہ تو بھاگ گئے اور نیا آکر بسنے والا وہاں کوئی نہیں ملتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ انسانی بادشاہت کا کیا حال ہے۔ اگر رعیت بھاگ بھاگ کر دوسرے ملکوں میں چلی جا رہی ہے۔ اب احمدی جو ہجرت کر رہے ہیں پاکستان سے وہ بہر حال پاکستان کی رعیت کم ہو رہی ہے۔ دیکھو کتنے دماغ ہیں احمدیوں کے جو باہر نکل گئے ہیں۔ ان دماغوں سے پاکستان بہت استفادہ کر سکتا تھا مگر ان کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے قدر نہیں کی۔ تو فرمایا :"یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اس سے بحث شروع کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کون سی لیاقت اپنی ثابت کرے"۔ اب بعینہ یہی حال پاکستان میں ہو رہا ہے۔ جنرل مشرف سے پوچھ رہے ہیں کہ تم میں ہم سے زیادہ کیا بات ہے۔ تم کسی لائق نہیں ہو کہ ہم پر حکومت کرو۔ تو یہ چیزیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھی تھیں وہ عملی دنیا میں بعینہ ویسے ہی نظر آتی ہیں۔ مگر آپؑ فرماتے ہیں:"پس خدا تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے۔ وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے"۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۳،۳۷۴)

اب قرآن کریم میں یہ آیت موجود ہے جس کی طرف دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر ترجمہ کے اشارہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم سب لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تُل جاؤ تو وہ تمہاری بجائے دوسری مخلوق پیدا کر سکتا ہے جو تم جیسی نہیں ہو گی۔ اور قرآن کریم میں ایک جگہ تو فرمایا ہے کہ پیدا کر سکتا ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وہ پیدا کر دے گا۔ اس میں کوئی شرط نہیں ہے۔ تو حیرت انگیز کلام ہے جو مستقبل کے دور ترین امکانات کو بھی زیر بحث لاتا ہے اور اس کے متعلق بھی کلام کرتا ہے۔

اب سورۃ الجمعہ کی یہ آیت ہے:

﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾۔

(سورۃ الجمعہ :۲)

اللہ ہی کی تسبیح کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ وہ بادشاہ ہے، قدوس ہے، کامل غلبہ والا (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایک خاص بات یہ بیان فرماتا ہے کہ ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ کہ وہ براہ راست اصلاح فرماتا ہے۔ یعنی انتظار نہیں کرتا کہ بندے اس کی حکمت سیکھ لیں۔ وہ براہ راست اپنی قدوسیت سے تزکیہ نفس کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا مزکّی ہونا اس بات کا محتاج نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے مزکّی کہا ہے تو یہ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ پہلے اس کی حکمت کی باتیں سیکھیں۔ اس کے علم کی باتیں سیکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق تو قرآن کریم نے ہر جگہ یہی بیان فرمایا ہے کہ وہ براہ راست جب تلاوت آیات کرتا ہے تو ساتھ ہی تزکیہ نفس بھی۔ ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ وہ آیات کی تلاوت کرتے ہی ساتھ ہی ان کا تزکیہ شروع کر دیتا ہے۔ اب یہ بھی ایک عجیب باریک نکتہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق دعائیں کیں انہوں نے يُزَكِّيْهِمْ کا فعل سب سے آخر پر رکھا۔ یہ نہیں کہا کہ وہ تلاوت کے ساتھ ہی تزکیہ کرتا ہے بلکہ پہلے علم پھر حکمت کی باتیں بیان فرمائیں کہ حکمت وغیرہ بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد آخر پر فرمایا کہ جب یہ سب کچھ ان کو علم ہو جائے تو پھر وہ تزکیہ کرے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو الٹا دیا ہے۔ تزکیہ کو پہلے رکھ دیا ہے اور باقی باتوں کو بعد میں رکھ دیا ہے تو بہت ہی گہرا مضمون ہے جو قرآن کریم کی شان کو دوبالا کرنے والا اور یہ بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اس سے بڑھ کر شان کے نبی تھے جس قسم کے نبی حضرت ابراہیمؑ نے طلب کئے تھے۔ انہوں نے اپنے فہم کے مطابق جو بہت زیادہ تھی بہت غور کے بعد جس قسم کا نبی مانگا وہ ایسا نبی تھا جو تزکیہ سے پہلے ان کو علم دے گا، ان کو حکمت دے گا ان کو تقویٰ دے گا اور جب یہ سب باتیں پیدا ہو جائیں گی تو پھر ان کا تزکیہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وعلیٰ آلہ وسلم اس شان کے نہیں، وہ اس سے افضل شان کے ہیں۔ وہ تو تلاوت کے ساتھ ہی تزکیہ شروع کردیتے ہیں۔ ﴿یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ یہ بعد کی باتیں ہیں یُزَکِّیْهِمْ کا مضمون پہلے آتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"جن پاک الفاظ سے اس کو شروع کیا گیا ہے۔ اگر کم از کم اُن الفاظ پر ہی غور و فکر کی جاتی تو مجھے امید ہوتی ہے کہ اسماء الٰہی میں تو کم از کم ٹھوکر نہ لگتی۔ وہ پاک الفاظ جن سے اس سورۃ کا شروع ہوتا ہے۔ یہ ہیں ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ﴾ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں۔ اس اللہ کی جو اَلْمَلِكِ ہے اور اَلْقُدُّوْس ہے اور اَلْعَزِیْز ہے اور اَلْحَكِیْم ہے"۔

آپؓ مزید فرماتے ہیں: (وہ) "اَلْقُدُّوْس ہے۔ اُس کی صفات و حمد میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو نقصان کا موجب ہو۔ بلکہ وہ صفات کاملہ سے موصوف اور ہر نقص اور بدی سے منزّہ اَلْقُدُّوْس ہے۔

قرآن شریف پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے کہو یا اسماء الٰہی کی فلاسفی نہ سمجھنے کی وجہ سے۔ غرض یہ ایک غلطی پیدا ہو گئی ہے کہ بعض وقت اللہ تعالیٰ کے کسی فعل یا صفت کے ایسے معنے کر لئے جاتے ہیں جو اس کی دوسری صفات کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس کے لئے مَیں تمہیں ایک گُر بتاتا ہوں کہ قرآن شریف کے معنے کرنے میں ہمیشہ اس امر کا لحاظ رکھو کہ کبھی کوئی معنے ایسے نہ کئے جاویں جو صفات الٰہی کے خلاف ہوں۔ اسماء الٰہی کو مد نظر رکھو اور ایسے معنے کرو اور دیکھو کہ قدوسیت کو بٹہ تو نہیں لگتا۔ لُغت میں ایک لفظ کے بہت سے معنے ہو سکتے ہیں اور ایک ناپاک دل انسان کلام الٰہی کے گندے معنے بھی تجویز کر سکتا ہے"۔ اگر وہ لغت کے مختلف معنوں پر نظر رکھے اور ان میں سے گندے معنوں کو چن لے۔ "اور کتاب الٰہی پر اعتراض کر بیٹھتا ہے۔ مگر تم ہمیشہ یہ لحاظ رکھو کہ جو معنے کرو اس میں دیکھ لو کہ خدا کی صفت قدوسیت کے خلاف تو نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سارے کلام حق و حکمت کے بھرے ہوئے ہوتے ہیں جس سے اس کی اور اس کے رسول اور عامۃ الناس کی عزت و بڑائی کا اظہار ہوتا ہے"۔ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۸۳۔۸۴)

آخر پر مَیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطبہ الہامیہ میں سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

"میرا قدم خدا تعالیٰ کی راہ میں تیز چلنے والے اونٹوں سے بھی تیز تر ہے۔ پس مجھے کسی دوسرے کے ساتھ قیاس نہ کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔ اور اپنے تئیں شک اور جنگ کے ساتھ ہلاک مت کرو۔ اور مَیں مغز ہوں جس کے ساتھ چھلکا نہیں اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں اور وہ سورج ہوں جس کو دشمنی اور کینہ کا دھواں چھپا نہیں سکتا۔ کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو۔ ہرگز نہیں پاؤ گے اگرچہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈو۔ اور یہ کوئی فخر نہیں بلکہ اس خدا کی نعمتوں کا شکر ہے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی یہ سنت تھی کہ جب اپنے متعلق کوئی بڑائی بیان کرتے تھے جو خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہو تو بڑائی کرتے کرتے ساتھ ہی کہتے تھے "لَا فَخْرَ" یہ فخر نہیں ہے۔ یہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے آقا کی سنت کے پیش نظر بہت ہی عظیم الشان باتیں اپنے متعلق بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں "مجھے کوئی فخر نہیں بلکہ "خدا کی نعمتوں کا شکر ہے جس نے اس نونہال کو لگایا ہے اور میں نور کے پانی کے ساتھ غُسل دیا گیا ہوں اور الٰہی پاکیزگی کے چشمہ میں پاکیزہ کیا گیا ہوں۔ اور صاف کیا گیا ہوں تمام مَیلوں اور کدورتوں سے۔ اور میرے ربّ نے میرا نام احمد رکھا ہے پس میری تعریف کرو اور مجھے دشنام مت دو۔ اور اپنے امر کو نااُمیدی کے درجہ تک مت پہنچاؤ"۔ (خطبہ الہامیہ روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۵۲۔۵۳)

۞۞۞..........۞۞۞..........۞۞۞